**OPEN ACCESS: "*EPISTEMOLOGY*"**
eISSN: 2663-5828;pISSN: 2519-6480
***Vol.8 Issue 9 June 2021***

# نبی کریم ﷺ کے اُسوۂ محنت کے منتخب پہلو

# *Selective aspects from The Holy Prophet's patterns of hard work*

**Tafseer Abbas**
*Ph.D Scholar, Dept. of Islamic Studies, National University of Modern Languages, Islamabad.*

**Dr. Noor Hayat Khan**
*Chairman, Dept. of Islamic Studies,National University of Modern Languages, Islamabad.*

**Abstract:** Islam is a complete code of life for people from all walks. One of the important segments of our society is the working class. The Holy Prophet (PBUH) is an Ideal Guardian for laborer. We can find beautiful demonstrations of hard work in The Life of Holy Prophet (PBUH). He used to graze goats in childhood. He joined the trade activities in local trade and afterwards moved for free International trade. Sunnah of The Holy Prophet (PBUH) explains us the principles & ethics of business. He also showed hard work in agriculture and horticulture. He was interested in raising camels and horses. He was to be ahead of important construction works.As a Commander-in-Chief He was impossible to be demoralized by thehardships of battle fields. He always asked for Allah's refuge from laziness and sloth.
**Key words**: Labor,Guardian of laborer, Principles of hard work, The Holy Prophet's patterns of hard work, facing hardships.

## تمہید:

ہر انسان کو زندگی گزارنے کے لئے روٹی، کپڑا اور مکان درکار ہے جس کے حصول کے لئے کسی نہ کسی ذریعہ آمدن کی ضرورت ہوتی ہے۔ رسول کریم ﷺ کا معاملہ بھی اس قاعدہ سے مستثنیٰ نہیں ہے، آپ ﷺ ساری انسانیت کے لئے اُسوۂ حسنہ ہیں۔ اس لئے آپ ﷺ نے اُن محنت کشوں کے لئے بھی رہنمائی مہیا فرمائی جو جسمانی مشقت اور ہاتھوں کی محنت سے اپنی معاش حاصل کرتے ہیں۔ رزقِ حلال اعمال صالحہ کی بنیاد ہے اور یہ محنت ہی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ رزقِ حرام وہ ہے جس سے انسانی استحقاق ثابت نہ ہو اور انسانی استحقاق محنت کے حوالے سے ہی متعین ہوتا ہے۔ اس اہمیت کے پیش نظر محنت کشی کی ترغیب کے لئے نبوی قیادت درکار تھی۔

داعی الی اللہ کے لئے بھی ضروری ہے کہ اس کی نظریں دوسروں کے اموال پر نہ ہوں اور نہ اس کی معاش کا انحصار غیروں پر ہو۔ وہ مالی طور پر ہر شخص سے مستغنی ہو۔ اسی صورت میں اس کی قدر وقیمت میں اضافہ، مقام ومرتبہ میں بلندی، شکوک وشبہات سے حفاظت اور جدوجہد میں بھی اخلاص پیدا ہوگا۔ نیز ان دُشمنانِ اسلام کے پیدا کردہ شبہات بھی باطل قرار پائیں گے جو لوگوں کو یہ تصور دیتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) انبیائے کرام علیہم السلام نے اپنی دعوت کے ذریعے دُنیا اور دولت واقتدار حاصل کرنا چاہا۔[1] اس اعتراض کو اللہ تعالی نے ان الفاظ میں نقل فرمایا ہے:

﴿قَالُوا أَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا وَتَكُونَ لَكُمَا الْكِبْرِيَاءُ فِي الْأَرْضِ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِينَ﴾[2]

انہوں نے کہا؛ کہ تو ہمارے پاس آیا ہے کہ ہمیں اس (طریقے) سے پھیر دے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا اور تم دونوں کے لئے زمین میں اقتدار ہو؟ جبکہ ہم تم دونوں پر ایمان لانے والے نہیں۔

یہ بات فرعون نے سیدنا موسیٰ اور سیدنا ہارون علیہما السلام سے کہی تھی۔ ایسے لوگوں کی عقل پر دُنیا کی محبت اس قدر غالب آچکی ہوتی ہے کہ کسی بھی نظریے اور تحریک کو دیکھ کر یہ لوگ فوراً الزام لگا دیتے ہیں کہ اس کا مقصد دُنیا کا حصول ہے، اسی لئے انبیائے کرام علیہم السلام نے واضح طور پر اپنی اُمتوں سے کسی دُنیاوی اجر سے بے نیاز ہونے کا اعلان فرمایا جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

﴿وَيَا قَوْمِ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى اللَّهِ﴾[3]

اور اے میری قوم! میں تم سے اس پر کوئی مال نہیں مانگتا۔ میرا اجر تو اللہ ہی پر ہے۔

وہ اپنی تمام کوشش و کاوش، دینی و عوامی خدمت کے صلے میں لوگوں سے ایک پیسے کے بھی طلبگار نہ ہوتے تھے۔ قرآن کریم میں انبیائے کرام علیہم السلام کی زبان اطہر سے اس کا تذکرہ ان الفاظ میں موجود ہے:

﴿وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾(4)

میں آپ سے اس خدمت کا کوئی بدلہ نہیں چاہتا، بلکہ میں اللہ تعالیٰ سے اپنے اجر کا طلب گار ہوں۔

وہ تو اپنی ذات اور عیال پر صدقہ وزکوۃ اور ہر قسم کے معاوضہ کو حرام تصور کرتے تھے اور بے پناہ مصروفیات اور مشکلات کے باوجود اپنی معاش کا خود انتظام کرتے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ انسان اگر صرف حلال روزی پر اکتفا کرے تو اس کے اندر ایسی جرأت اور بہادری پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ کلمہ حق دوٹوک الفاظ میں کہہ سکتا ہے۔ کتنے ہی ایسے لوگ ہیں جو اپنی آمدن اور نوکریاں بچانے کے لئے ظالموں کے سامنے سر جھکا دیتے ہیں، ان کی غلط باتوں پر خاموشی اختیار کرتے ہیں اور ان کی خواہش پرستی کو تحفظ فراہم کرتے ہیں۔ ایک مسلمان داعی کو سب سے بڑھ کر اس بات کا اہتمام کرنا چاہیئے کہ اس کی معاش کا انحصار ذاتی محنت اور عمدہ تجارت پر ہو۔ کسی کے سامنے ہاتھ نہ پھیلائے تاکہ دُنیاوی لحاظ سے وہ کسی کا احسان مند نہ ہو، وگرنہ اپنے محسن کے سامنے وہ آزادی کے ساتھ حق بات کا اظہار نہیں کر سکے گا، اس کا فضل و احسان ضرور اسے مرعوب کرے گا۔

اس مقصد کے لئے رسول کریم ﷺ کو اس تربیتی مرحلے سے گزرنا پڑا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی تربیت کے لئے جو انداز اختیار کیا اس میں بہی حکمت پنہاں ہے۔ تربیت کا یہ انداز بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کیسی مشیت تھی کہ بعثت سے قبل آپ ﷺ کی حیات مبارکہ میں کوئی ایسی چیز پیش نہ آئے جو بعثت کے بعد آپ ﷺ کی دعوت میں کسی قسم کی پیچیدگی یا رکاوٹ پیدا کرے یا اس پر منفی اثرات مرتب کرے۔ آپ ﷺ نے معیشت کے ہر پہلو کو عملی مثالوں سے واضح فرما دیا اور بذاتِ خود محنت کو شعار بنایا۔ یہ محنت صرف مثال مہیا کرنے کے لئے وقتی عمل نہ تھا بلکہ آپ ﷺ کی پوری زندگی ایک محنت کش کی زندگی ہے۔ سیرت مطہرہ کا مطالعہ ایسی بیسیوں مثالیں مہیا کرتا ہے کہ آپ ﷺ نے کس کس طریق سے حصول رزق، معاشرتی فلاح اور قومی سربلندی کے لئے محنت فرمائی ہے۔ ذیل میں آپ ﷺ کے اُسوہء محنت کشی کے چند پہلوؤں سے اس کی وضاحت ہو جاتی ہے۔

## پیشہ گلہ بانی:

جزیرہ عرب کا بیشتر حصہ لق و دق صحراؤں اور خشک پہاڑی سلسلوں پر مشتمل ہے۔ اس زمانہ میں یہاں کے باشندے بھیڑ بکریوں کے ریوڑ چرا کر گزر اوقات کیا کرتے تھے۔ جہاں کہیں پانی دستیاب ہوتا وہاں چھوٹے چھوٹے نخلستان اور تھوڑی بہت کھیتی باڑی ہو جاتی۔ مکہ مکرمہ میں حصول معاش کے لئے گلہ بانی اور تجارت عام تھی۔

یہ خبر متواتر ہے کہ ابھی آپ ﷺ بچپن کے ایام سے گزر رہے تھے اور بنو سعد کے بادیے میں اپنی رضاعی والدہ سیدہ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے ہاں قیام پذیر تھے تو محنت اور سخت محنت آپ ﷺ کو مرغوب تھی۔ ایک روز سیدہ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا سے کہا اے مادرِ مہربان! میں بھی اپنے بھائیوں کے ساتھ جاؤں گا اور گوسفند چرانے میں ان کی مدد کروں گا، کوہ و صحرا میں اللہ کی صناعیوں کو دیکھوں گا، عبرت حاصل کروں گا اور چیزوں کے نفع و نقصان کو سمجھوں گا۔ سیدہ حلیمہ رضی اللہ عنہا نے دیکھا کہ آپ ﷺ صحرا کی طرف جانے پر بہت مائل ہیں تو اپنے لڑکوں کو آپ ﷺ کی حفاظت و رعایت کی تاکید کر کے روانہ کیا۔[5] آپ ﷺ اپنی رضاعی بہن شیما اور رضاعی بھائیوں کے ساتھ بکریوں کی حفاظت اور خبر گیری کے لئے عملی مشارکت فرماتے تھے۔ صحرا میں جہاں روئیدگی کم تھی، لہذا بکریاں سبزہ کی تلاش میں دور تک پھیل جاتیں۔ آپ ﷺ انہیں ہانکتے اور گھر کی طرف لانے کے لئے ان کے پیچھے ہوتے۔

رسول اللہ ﷺ کے والد گرامی نے ایک باندی سیدہ اُم ایمن رضی اللہ عنہا، پانچ اراک کھانے والے اُونٹ اور چند بکریاں ترکے میں چھوڑیں تھیں، یہ سب کی سب بھی آپ ﷺ کو ملیں تھیں۔ بعض سیرت نگاروں نے آپ ﷺ کی وراثت پدری میں صرف ایک باندی اور ایک اُونٹنی کا ذکر کیا ہے۔[6]

لڑکپن میں اپنے دادا سردار عبد المطلب کی وفات کے بعد چچا ابو طالب کی حفاظت میں آئے تو گھر کی متوسط حیثیت آپ ﷺ سے بھی محنت کا تقاضا کرتی تھی۔ آپ ﷺ کو پیدائشی طور پر ورثے میں کوئی مکان، جاگیر و جائیداد کچھ بھی نہیں ملا جس کی وجہ سے عنفوانِ شباب کے ابتدائی ایام سے ہی محنت و جفاکشی کی زندگی بسر کرنا شروع کر دی۔ اگرچہ ابتدا میں آپ ﷺ کا کوئی مخصوص کام نہیں تھا اور زیادہ وسائل بھی میسر نہیں تھے، اس لئے آپ ﷺ نے عام عرب معاشرے کی طرح گلہ بانی کا پیشہ اپنایا۔ آپ ﷺ نے اپنے چچا سے بھیڑ بکریاں چرانے کی اجازت چاہی۔ پہلے تو جناب ابو طالب تیار نہ ہوئے لیکن آپ ﷺ کے مسلسل اصرار پر انہوں نے اجازت دے دی۔ اس طرح اپنے چچا کی

معاشی خوشحالی کے لئے کوشاں ہو گئے۔ یہ گلہ بانی تمہید تھی مستقبل کی جہاں بانی کی جہاں محنت آپ ﷺ کی ذات کا حصہ بن گئی تھی۔ آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے:

((ما بعث الله نبيا الا رعى الغنم))[7]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے کوئی پیغمبر ایسا نہیں بھیجا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔

بلکہ آپ ﷺ اس چیز کو فخر کے ساتھ بیان فرمایا کرتے تھے:

((انا اعربكم، انا قرشي، واسترضعت في سعد بن بكر))[8]

ترجمہ: میں تم میں سے بڑا فصیح اللسان اور قریشی ہوں، میں نے بنی سعد بن بکر میں دودھ پیا ہے۔

واضح رہے کہ عرب میں بکریاں چرانا کوئی معیوب کام نہ تھا۔ بڑے بڑے شرفاء اور امراء کے بچے بھیڑ بکریاں چراتے تھے۔ انبیائے کرام علیہم السلام نے بھی بکریاں چرائیں جیسا کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں قرآن کریم فرماتا ہے:

﴿وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِينَ تُرِيحُونَ وَحِينَ تَسْرَحُونَ﴾[9]

ترجمہ: اور تمہارے لئے ان (جانوروں) میں خوبصورتی ہے جب تم شام کو چرا کر لاتے ہو اور جب صبح چرانے کو لے جاتے ہو۔

اسی طرح آپ ﷺ نو(۹) سال کی عمر مبارک سے لے کر سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا سے نکاح ہونے یعنی تقریباً پچیس (25) سال کی عمر تک اپنے چچا کے ساتھ رہے مگر اس سولہ سالہ عرصہ میں اپنے غریب چچا پر بوجھ نہیں بنے، بلکہ محنت و کاوش کے ذریعے اُن کی مشکلات کو آسان کرنے کی حتی الامکان کوشش کرتے رہے۔ کیونکہ جناب ابو طالب مالی طور پر اتنے خوشحال نہ تھے۔

## پیشہ تجارت:

ذرائع آمدن کا ایک بہترین ذریعہ تجارت ہے۔ گلہ بانی کے علاوہ اہل مکہ کا دار و مدار تجارت پر تھا اور مکہ کی زندگی اور ثقافتی سرگرمیاں تجارتی سرگرمیوں کے ساتھ جڑی ہوئی تھیں۔ مشرق اور مشرق بعید کے ممالک سے درآمد کی ہوئی اجناس، گرم مصالحے اور مصنوعات بادبانی کشتیوں کے ذریعے یمن کی بندرگاہوں تک پہنچتیں۔ یہاں مکہ کے قریشی تاجر اِن کو خرید لیتے اور اپنے اونٹوں پر لاد کر بحیرہ روم کی بندرگاہوں اور شام کے شہروں تک لے جاتے، وہاں انہیں

فروخت کرتے اور یہاں سے مغربی ممالک سے درآمد شدہ اشیاء خرید کر یمن کی بندر گاہوں اور شہروں تک پہنچاتے۔ جو لوگ سرمایہ کی کمی کے باعث تجارت کی سکت نہ رکھتے وہ اپنے اونٹوں کے ذریعہ مال برداری کر کے کافی اُجرت کما لیتے۔

پیشہ تجارت کا سب سے بڑا اعزاز یہ ہے کہ سید الاوّلین والآخرین ﷺ نے بھی اس میں حصہ لیا ہے۔ کبھی مشارکت کے طور پر، کبھی مضاربت کے طور پر۔ آپ ﷺ کے والد جناب عبد اللہ ایک خوشحال، کامیاب اور تجربہ کار تاجر تھے۔ ان کے آخری سفر تجارت کا مال اور اس کا نفع اور اس سے پہلے کے ان کے تجارتی اسفار میں تجارت سے حاصل شدہ نقد و جنس پر مشتمل ان کی جمع پونجی بھی ان کے یتیم بیٹے کو ملی ہو گی۔ اسی لیے جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتے ہی آپ ﷺ نے نوجوانانِ قریش کی مانند تجارت کا مشغلہ اپنایا کہ یہی قبیلہ کی روایت اور شہر و خاندان کی رِیت تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کے لئے بعثت سے قبل اسے نہایت آسان بنا دیا تھا، فنِ تجارتمیں آپ ﷺ کو مہارتِ تامہ حاصل تھی۔

اپنے بچپن میں بھی آپ ﷺ نے اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ کم از کم یمن اور شام کے دو سفر کیے تھے اور بعض روایات میں تجارت کے حوالے سے آپ ﷺ کی اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ دوسرے بازاروں (ذوالمجاز وغیرہ) میں موجودگی معلوم ہوتی ہے۔ سید سلیمان ندویؒ نے عرب کے بازاروں میں جباشہ کا ذکر بھی کیا ہے۔ جہاں آپ ﷺ کو سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا نے تجارت کی غرض سے بھیجا تھا ان میں جرش (یمن) بھی شامل ہے جہاں آپ ﷺ دوبار گئے تھے اور مسند احمد کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے بحرین / قبیلہ عبد القیس کے علاقے کا سفر بھی برائے تجارت کیا تھا۔[10]

اس طرح تجارت و کاروبار سے ابتدائی تعارف حاصل کر لیا اور پھر بذات خود اوائل عمر ہی میں تجارت کرنے لگے۔ تاریخی روایات اور شواہد کی بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ ﷺ نے اٹھارہ بیس سال کی عمر مبارک میں تجارت کا آغاز کیا ہو گا کہ لگ بھگ اسی عمر و سِن میں آپ ﷺ کے آباء و اجداد اور دوسرے قریشی تجار نے تجارت شروع کی تھی۔ جناب ہاشم بن عبد مناف، جناب عبد المطلب اور جناب عبد اللہ وغیرہ تقریباً سب کی کم و بیش یہی عمر تھی۔[11] رسول اللہ ﷺ کے دوست اور یارِ غار سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم بھی تجارت ہی کرتے تھے۔ اس

بابرکت پیشے کے شرعی احکام و فضائل قرآن و سنت میں تفصیل کے ساتھ ذکر کئے گئے ہیں جن کا مختصر تذکرہ حسب ذیل ہے۔

- **تجارت کے برکات:**

رسول کریم ﷺ نے تجارت کے برکتوں کے بارے میں ارشاد فرمایا:

((البركة عشرة اجزاء تسعة اعشارها فى التجارة)) (12)

ترجمہ: اگر برکت کو دس حصوں میں تقسیم کر دیا جائے تو ان میں سے نو حصے تجارت ہو گی۔

- **تاجر کا مقام:**

تاجر سماج کا ایک ایسا فرد ہے، جو دوسروں کو ضروریاتِ زندگی کی فراہمی کا کام کرتا ہے۔ سہولیات کو ان کے دہلیز تک پہنچاتا ہے، جو ایک بہترین عمل ہے، جس سے انسان استفادہ کرتے ہیں، لیکن اس عمل میں اگر راست گوئی کا اہتمام کیا جائے تو نہ صرف دنیا میں عمل کے برکات ظاہر ہوتے ہیں، بلکہ آخرت میں اس کو بڑا رتبہ نصیب ہو گا۔ اس کے فضیلتکو آپ ﷺ نے انالفاظ میں فرمایا ہے:

((التاجر الصدوق الامين مع النبيين والصديقين والشهداء)) (13)

ترجمہ: سچا امانت دار تاجر نبیوں، صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہو گا۔

لیکن تجارت میں بد دیانتی کے ارتکاب کے بارے میں آپ ﷺ نے ہولناک وعید بھی سنائی۔ سیدنا رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ وہ رسول کریم ﷺ کے ساتھ نماز کے لئے نکلے، آپ ﷺ نے تاجروں کو خرید و فروخت کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا:

((يا معشر التجار! فاستجابوا لرسول الله ﷺ و رفعوا اعناقهم و ابصارهم اليه، فقال: ان التجار يبعثون يوم القيامة فجارا الا من اتقى الله و بر و صدق)) (14)

ترجمہ: اے تاجروں کی جماعت! ان سب نے آپ ﷺ کی طرف اپنی گردنوں اور آنکھوں کو اُٹھایا اور آپ ﷺ کی آواز پر سب نے لبیک کہا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "بے شک تاجر لوگ قیامت کے دن فاسق و فاجر لوگوں میں اُٹھائے جائیں گے مگر جس نے اس پیشے کو اللہ تعالیٰ کے خوف کے تحت سچائی اور نیک شعاری کے ساتھ انجام دیا۔

اپنے ہاتھ سے کمائی اور تجارت کے متعلق سیدنا رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت کے الفاظ کچھ یوں ہیں:

((قيل: يا رسول الله ﷺ أى الكسب أطيب؟ قال: عمل الرجل بيده وكل بيع مبرور)) (15)

رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا: کون سی کمائی سب سے پاکیزہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: آدمی کا اپنے ہاتھ سے کمانا اور ہر جائز تجارت۔

## آنحضرت ﷺ اور آزاد بین الاقوامی تجارت:

قریش کی یہ عادت تھی کہ وہ سال میں ایک بار تجارت کے لئے مختلف ممالک کا سفر کرتے تھے، ان کے تجارتی قافلے سردی اور گرمی کے موسم میں شام، فلسطین، یمن، مصر، عراق اور حبشہ وغیرہ جایا کرتے تھے۔ کیونکہ اُن کی معیشت کا زیادہ تر انحصار اسی پر تھا۔ قرآن کریم میں سورۃ القریش کا بین الاقوامی تجارت سے خاص تعلق ہے۔ قریش کے لوگ چونکہ کعبہ شریف کے خادم و نگہبان تھے اس لئے پورے جزیرہ نمائے عرب میں ان کا خاص احترام تھا۔ دوسرے قبائل کو رہزنوں اور دشمنوں سے بچتے ہوئے سفر کرنا سخت مشکل تھا جبکہ قریش کے تجارتی قافلے مامون و محفوظ تھے۔ اس امن اور حفاظت کی ایک بڑی وجہ اصحابِ فیل کا وہ عبرت ناک واقعہ بھی تھا جو آپ ﷺ کی ولادت باسعادت سے صرف پچاس روز پہلے رُونما ہوا تھا۔ یمن کا عیسائی حاکم ابرہہ بیت اللہ شریف کو ڈھانے کے لئے جب مکہ مکرمہ کے قریب آپہنچا تو اللہ تعالیٰ نے اُسے اور اُس کے ہاتھیوں کو پرندوں کے ایک غول کے ذریعے تہس نہس کر ڈالا۔ اس عجیب و غریب واقعہ میں اہل یمن اور آس پاس کے دوسرے قبائل میں کعبۃ اللہ کی عظمت و جلالت کا عقیدہ مزید مستحکم ہو گیا، دوسری طرف خود قبیلۂ قریش کا رُعب و دبدبہ مزید قائم ہو گیا اور ان کے تجارتی قافلوں کی راہ اور زیادہ ہموار ہو گئی جو اُن کی معاشی خوشحالی کا سب سے بڑا ذریعہ تھی۔

رسول اللہ ﷺ کے بین الاقوامی تجارتی اسفار کا تذکرہ تاریخ کی کتب میں ملتا ہے۔ آپ ﷺ سرزمین عرب کے بعض علاقوں میں تجارت کے لئے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا سامان لے کر گئے۔ دو مرتبہ ان کا سامانِ تجارت لے کر جُرَش بھی تشریف لے گئے جو یمن میں ہے۔ ہر دفعہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے معاوضے میں ایک اُونٹ یا اُونٹنی دیئے۔(16) روایات میں آتا ہے:

((استاجرت خديجة رضوان الله عليها رسول الله ﷺ سفرتين الى جُرَش، كل سفرة بقلوص)) (17)

ترجمہ: سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جُرَش (یمن کے ایک مقام) کی طرف دو بار تجارت کے لئے اُونٹنیوں کے عوض بھیجا۔

نبوت سے قبل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بحرین کی طرف سفر کرنے کا اشارہ بھی ملتا ہے۔ وہ اس طرح کہ جب عرب کے تمام دور دراز مقامات سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں وفود حاضر ہوتے رہے، انہی میں بحرین سے وفد عبد القیس بھی آیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ وفد سے بحرین کے ایک ایک مقام کا نام لے کر وہاں کے احوال دریافت فرمائے، تو لوگوں نے تعجب سے پوچھا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ تو ہمارے ملک کے احوال ہم سے بھی زیادہ جانتے ہیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا:

"ہاں! میں تمہارے ملک میں خوب گھوما ہوں۔"(18)

اسی طرح دیگر تاجران قریش بھی مختلف تجارتی اسفار میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شریک ہوتے۔ یہ آزاد بین الاقوامی تجارت جو قریش مکہ کو نصیب ہوئی، اللہ تعالیٰ نے اسے اپنا انعام قرار دیا ہے اور اس کے شکرانے کے طور پر اُن سے اپنی ہی عبادت کا مطالبہ فرمایا ہے، جس سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ اسلامی تعلیمات کی رُو سے بین الاقوامی تجارت کا بھی آزاد ہونا مطلوب اور قابل ستائش ہے جس کی حوصلہ افزائی ہونی چاہیئے۔ اس سلسلے میں سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ ارشاد سونے سے لکھنے کے قابل ہے:

((اوصيكم بالتجار خيرا، فانهم برد الآفاق وامناءُ الله فی الارض)) (19)

میں تمہیں تاجروں کے ساتھ اچھے برتاؤ کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ یہ دُنیا کے اطراف تک (لوگوں کی ضرورت) پہنچانے والے ہیں اور زمین میں اللہ تعالیٰ کے امین ہیں۔

## شراکت و مضاربت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اصول پرستی:

دو آدمیوں کا اس طرح شراکت کرنا کہ ایک کی طرف سے مال ہو اور دوسرے کی طرف سے محنت اور نفع میں دونوں شریک ہوں۔ صاحبِ مال کو سرمایہ کار اور محنت کرنے والے کو عامل کہتے ہیں۔ تجارت کی ابتدائی تربیت کے بعد جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے طور پر تجارت شروع کی تو مضاربت کے اصول پر دوسرے کے سرمایہ کے ساتھ اپنی محنت

شامل کر کے کی۔ آپ ﷺ قافلوں کے ساتھ شہر کے تاجروں کا مال لے کر دوسری منڈیوں میں جاتے اور مال بیچ کر منافع میں سے اپنا حصہ وصول کر لیتے۔ اس کام میں آپ ﷺ کو معاملہ فہمی، صداقت، امانت اور دیانت کے باعث اتنی شہرت ملی کہ مکہ میں آپ ﷺ کو صادق اور امین کہا جانے لگا۔ آپ ﷺ پر اعتماد کر کے کسی کو پشیمانی نہ ہوتی اور آپ ﷺ پورے احساس ذمہ داری کے ساتھ ہر معاملہ طے فرماتے۔ اسبات کی شہادت سیدنا قیس بن سائب مخزومی رضی اللہ عنہ نے ان الفاظ میں دی:

> "میں نے محمد ﷺ سے بہتر کوئی ساتھی نہیں پایا۔ اگر ہم آپ ﷺ کا سامان لے جاتے تو واپسی پر آپ ﷺ ہمارا استقبال کرتے اور خیر وعافیت پوچھتے اور جب ہم حساب دیتے تو اس پر کوئی تکرار نہیں فرماتے تھے اور جب آپ ﷺ سفر سے لوٹتے تو جب تک حساب صاف نہ کر لیتے گھر نہ لوٹتے تھے۔"(20)

مکہ مکرمہ کے مال دار یا وہ افراد جو دور دراز کے سفر اور بازاروں کی مصروفیت سے گریز کرتے تھے یا بعض وجوہ سے خود نہیں کر سکتے تھے وہ دوسرے محنتی اور کار گزار و امانت دار اشخاص کو اپنا مال تجارت دے کر عرب کے مختلف بازاروں اور قریبی ممالک کی طرف بھیجا کرتے تھے اور نفع کا ایک تناسب جو فریقین میں طے پا جاتا تھا مضاربوں کو ادا کر دیتے تھے، اس طرح دونوں کو فائدہ ہوتا تھا۔

## آنحضرت ﷺ کے تجارتی اخلاق:

ایک کامیاب تاجر کے اوصاف میں سے اہم ترین وصف صداقت و امانت ہے۔ تجارت میں نبی کریم ﷺ کی شخصیت کے یہی دو اوصاف تھے جنہوں نے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو آمادہ کیا کہ وہ اپنا تجارتی سامان دے کر آپ ﷺ کو شام جانے کی درخواست کریں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اُن کی تجارت میں برکت فرمائی اور ہر قسم کی خیر اور بھلائی کے دروازے کھول دیئے۔

تجارت میں آپ ﷺ ہمیشہ اپنا معاملہ صاف رکھتے تھے۔ اس سلسلے میں جن لوگوں سے آپ ﷺ کو واسطہ پڑا وہ بھی اس کی شہادت دیتے ہیں۔ آپ ﷺ کے شریک تجارت عبد اللہ بن ابی الحمساء آپ ﷺ کے معاملہ کی صفائی، راست گوئی، وعدہ وفائی اور حسن معاملہ کا اعتراف کرتے تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے بعثت سے پہلے ایک مرتبہ نبی

کریم ﷺ سے خرید و فروخت کا معاملہ کیا تھا۔ میرے ذمہ کچھ دینا باقی تھا۔ میں نے آپ ﷺ سے وعدہ کیا کہ میں ابھی لے کر آتا ہوں۔ پھر میں گھر جا کر اپنا وعدہ بھول گیا۔ تین روز بعد یاد آیا۔ میں فوراً وعدہ گاہ پر آیا تو آپ ﷺ کو اسی جگہ منتظر پایا۔ آپ ﷺ نے صرف اتنا فرمایا:

((یا فتی لقد شققت لی، انا ھھنا منذ ثلاث انتظرک)) (21)

اے نوجوان! تم نے مجھے زحمت دی، میں تین دن سے اسی جگہ تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔

سیدنا عبد اللہ بن سائب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں زمانہ ء جاہلیت میں آپ ﷺ کا شریک تجارت تھا، جب مدینہ منوّرہ حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے پہچانتے بھی ہو؟ میں نے عرض کیا:

"کیوں نہیں، آپ ﷺ تو میرے شریک تجارت تھے اور کیسے اچھے شریک تھے کہ نہ کسی بات کو ٹالتے تھے اور نہ کسی بات میں جھگڑتے تھے۔"(22)

بعثت کے بعد آپ ﷺ کے شغل تجارت کے واقعات اور اس کے متعلق روایتیں نہیں ملتیں تاہم چند روایات و شواہد ایسے ہیں جو یہ ثابت کرتے ہیں کہ بعثت کے بعد بھی آپ ﷺ نے تجارت کا سلسلہ جاری رکھا اور یہی حقیقت آپ ﷺ کی خودداری طبیعت، محنت و اکل حلال پر زور دینے اور اس کی اہمیت پر آپ ﷺ کی تعلیمات سے معلوم ہوتی ہے۔

## زراعت وباغبانی:

کسب معاش کے ذرائع میں سے ایک اہم ذریعہ زراعت و باغبانی کا پیشہ بھی ہے، جس سے انسان اپنی روزی کماتا چلا آ رہا ہے۔ زراعت کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنی حضرت انسان کی۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے فرامین میں اس حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ سیدنا آدم علیہ السلام نے اس خطہءِ اراضی پر آباد ہونے کے بعد جو ذریعہ معاش اپنایا وہ زراعت یا کھیتی باڑی ہی تھی۔ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث کا حصہ ہے:

((کان آدم حراثا)) (23) سیدنا آدم علیہ السلام کھیتی باڑی کیا کرتے تھے۔

زراعت اور باغبانی ایک بہترین پیشہ ہے۔ بہت سے برگزیدہ انبیائے کرام علیہم السلام کا یہی پیشہ تھا۔ فرمان نبوی ہے:

((ما فی الاعمال شیء احب الی اللہ من الزراعة)) (24)

اللہ کے ہاں زراعت سے زیادہ کوئی عمل محبوب نہیں۔

علی بن ابو حمزہؒ نے ایک مرتبہ امام موسیٰ بن جعفر الکاظمؒ کو اپنی زمین میں اس حال میں کام کرتے دیکھا کہ پسینے میں شرابور ہیں تو عرض کیا: میں آپ پر قربان جاؤں: آدمی کدھر ہیں، آپ خود کیوں کام کر رہے ہیں۔ تو امامؒ نے فرمایا: اے علی! جو ہستی مجھ سے اور میرے باپ سے افضل تھی اس نے اپنے ہاتھ سے کام کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ اور سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور میرے تمام آباء و اجداد نے اپنے ہاتھوں سے کام کیا ہے اور یہ انبیاء و رسل علیہم السلام، اوصیاء اور اللہ کے نیک بندوں کا طریقہ ہے۔[25]

در اصل رسول اللہ ﷺ کا یہ مبارک عمل جہاں زراعت کی اہمیت بڑھاتا ہے اور اسے دیگر ذرائع معاش مثلاً تجارت، صنعت وغیرہ پر فوقیت دیتا ہے، وہاں اپنے ذاتی عمل سے ان دکھوں کے مارے معاشی طور پر پریشان حال اور معاشرتی طور پر کم تر سمجھے جانے والے محنت کشوں کے عظیم طبقہ یعنی کسانوں کی عظمت کو نمایاں کرتے ہیں جو اپنی شبانہ روز کاوشوں سے بنجر زمینوں کو لہلہاتے کھیتوں میں بدلتے ہیں اور پھر مسلسل محنت کر کے اناج اُگاتے ہیں۔ فقہاء اسلام نے زراعت کے پیشہ کو اس قدر اہمیت دی کہ اسے فرض کفایہ کا درجہ دیا۔ عبد الرحمٰن الجزیری لکھتے ہیں:

((اما الزرع فی ذاته سواء أكان مشاركة أولا فهو فرض كفاية لاحتياج الانسان والحيوان اليه))[26]

جہاں تک زراعت کا تعلق ہے خواہ یہ شرکت سے وجود میں آئے یا بغیر شرکت کے اپنی ذات میں فرض کفایہ کا درجہ رکھتی ہے کیونکہ انسان اور حیوان سبھی اس کے محتاج ہیں۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں کسانوں کو ترغیب دیتے ہوئے فرمایا:

((اطلبو الرزق فی خبایا الأرض))[27]

رزق کو زمین کی پہنائیوں میں تلاش کرو۔

یزید بن ہارون کی روایت میں ہے کہ امام جعفر بن محمد الصادقؒ نے فرمایا:

یہی زراعت کرنے والے ہیں جو اللہ کی زمین میں اس کے خزانے ہیں اور تمام کاموں میں سے زراعت سے بڑھ کر کوئی کام اللہ کو پسند نہیں ہے۔ اور اللہ نے کبھی کوئی نبی نہیں بھیجا مگر زراعت کرنے والا سوائے سیدنا ادریس علیہ السلام کے کہ وہ درزی کا کام کرتے تھے۔[28]

دراصل زراعت کا پیشہ انسانی فطرت کی سادگی کے قریب ترین ہے۔ یہ پیشہ اللہ اور اس کے بندے (کسان) کے تعلق کی استواری کا ایک ذریعہ بھی بنتا ہے۔ کسان کا مٹی میں بیج محض اس اُمید پر پھینک کر بیٹھ جانا کہ اس کا کریم اللہ اپنا کرم کر کے اس بیج کو لہلہاتی کھیتی اور پھر اناج میں تبدیل کرے گا، یہ اللہ تعالیٰ پر بندے کے یقین اور ایمان کا ذریعہ بنتا ہے۔ غذائی اشیاء زندگی کی اہم ترین ضرورت ہیں جن کی فراہمی کی ضمانت زراعت و باغبانی کے شعبے ہی سے وابستہ ہے۔ زمین میں قدرت نے اجناس اور پھلوں کی صورت میں جو نعمتیں پوشیدہ رکھی ہیں ان کا نکالنا زراعت پیشہ اور باغبان حضرات ہی کا کام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کسان کی اس اُمید کو نہایت خوبصورت انداز میں اپنا احسان بتایا اور کسان کے کاشت کرنے کو اپنا فعل گردانا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿أَفَرَأَيْتُم مَا تَحْرُثُونَ () أَأَنْتُمْ تَزْرَعُونَهُ أَمْ نَحْنُ الزَّارِعُونَ () لَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَاهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُونَ﴾ (29)

پھر کیا تم نے دیکھا جو کچھ تم بوتے ہو؟ کیا تم اسے اُگاتے ہو یا ہم ہی اُگانے والے ہیں؟ اگر ہم چاہیں تو ضرور اسے ریزہ ریزہ کر دیں۔

باغبانی اور زراعت کا ثواب کتنا دُور رَس ہے اس کا اندازہ رسول کریم ﷺ کے اس فرمان سے ہوتا ہے جسے سیدنا جابر رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے:

((ما من مسلم يغرس غرسا الا كان ما اكل منه له صدقة وما سرق منه له صدقة وما اكل السبع منه فهو له صدقة وما اكلت الطير فهو له صدقة ولا يرزوه احد الا كان له صدقة)) (30)

جو مسلمان درخت لگائے پھر اُس میں سے کوئی کھائے تو لگانے والے کے لئے صدقہ ہو گا اور جو اس میں سے چوری ہو جائے وہ بھی صدقہ ہو گا اور جو درندے کھا جائیں اس میں بھی صدقہ ہے اور جو پرندے کھائیں اس میں بھی صدقہ ہے اور نہیں کم کرے گا اُس کو کوئی مگر صدقے کا ثواب ہو گا۔

نیز آپ ﷺ نے فرمایا:

”جو کوئی کیکر یا بیری کے درخت کو سیراب کرے تو اس نے گویا ایک پیاسے مومن کو سیراب کیا ہے۔“(31)

درخت اُگانے کی تاکید میں آپ ﷺ نے یہاں تک فرمایا:

((ان قامت الساعة و فی ید أحدکم فسیلة۔ فان استطاع ان لا تقوم حتی یغرسها فلیغرسها)) [32]

"اگر قیامت اس حالت میں آجائے کہ کسی کے ہاتھ میں (درخت کا) کوئی پودا ہو، تو اگر وہ قیامت ہونے سے پہلے اُس پودے کو بو سکے تو اُسے بو دے۔"

- **مدنی عہد نبوّت اور زراعت:**

مدینہ منورہ اور اس کے مضافات کا علاقہ سرسبز اور ہرا بھرا علاقہ تھا جہاں کے مقامی افراد کا پیشہ زراعت و باغبانی تھا۔ رسول کریم ﷺ نے خود مقام "جرف" میں کاشتکاری کی ہے۔ اس عمل کو امام سرخسیؒ نے نقل کیا ہے:

((وأزرع رسول الله ﷺ بالجرف)) [33]

اور رسول اللہ ﷺ نے جرف کے مقام پر کاشتکاری فرمائی۔

رسول اللہ ﷺ نے بدست خود راستہ پر ایک پتھر رکھا تھا تاکہ اس سے پانی کا رُخ اپنی زمین سے موڑ سکیں، مگر اس وقت تک وہ کسی اونٹ یا کسی انسان کی گزر گاہ نہیں تھی۔[34] اسی طرح رسول کریم ﷺ کا مشہور واقعہ ہے کہ آپ ﷺ نے سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی مدد کے لئے مدینہ منورہ کے ایک باغ میں کھجور کے تین سو(300) درخت اپنے دستِ مبارک سے لگائے تھے اور آپ ﷺ کی برکت سے ایک سال گزرنے نہ پایا تھا کہ اُن سب پر پھل آگیا۔[35] رسول اللہ ﷺ گٹھلی زمین میں بوتے جاتے تھے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ پانی دیتے جاتے تھے اور درخت تیار ہو جاتا تھا۔ چالیس اوقیہ سونا بھی آپ ﷺ نے ایک پتھر کو سونا بنا کر عطا فرمایا۔[36] اسی طرح خیبر کی فتح کے بعد فدک کے زرعی علاقے اور نخلستانوں کے فتح ہونے سے اسلام کو ایک نئی معاشی قوت ملی۔

## اونٹوں اور گھوڑوں کی پرورش:

مدینہ منورہ میں اونٹوں اور گھوڑوں کی پرورش و پرداخت اور ان کی خرید و فروخت کے ذریعے منفعت کا حصول بھی ایک مستقل ذریعہ تجارت تھا۔ آپ ﷺ نے مدنی زندگی کی ابتدا ہی سے دودھاری جانوروں بالخصوص عمدہ اونٹنیوں کو باقاعدہ پالا تھا اور ان کو کئی مقامات پر باڑوں میں رکھا تھا۔ ان کی دیکھ بھال کے لئے باقاعدہ چرواہے بھی رکھے گئے اور ان کے چارہ کی فراہمی کے لئے چراگاہیں مخصوص کی گئیں۔ بلاذریؒ کا بیان ہے کہ زاویہ کی چراگاہ میں آپ ﷺ کی کئی

اونٹنیاں تھیں اور آپ ﷺ نے اپنی تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں سے ہر ایک کو الگ الگ اونٹنی عطا کر رکھی تھی۔ سیدہ اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کی اونٹنی کا نام "العریس" تھا جبکہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے لئے مخصوص کی گئی اونٹنی کا نام "السمراء" تھا۔ سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کو "البغوم" نامی اونٹنی عنایت کی گئی تھی۔ دیگر اونٹنیوں میں الحنّاء، السعدیۃ، الیسیرۃ، مہرۃ، الریاء، عجوۃ، زمزم، سُقیا، برکۃ، ورسۃ، اطراف، اطلال اور الشقراء شامل تھیں۔ یہ سب دودھاری تھیں اور ان کا دودھ روزانہ دوھیا جاتا اور ہر رات بڑی مشکوں میں آپ ﷺ کے لئے لایا جاتا تھا۔

مدنی عہد نبوی میں روزی روٹی کی فراہمی کے مستقل ذرائع میں سب سے اہم ذریعہ غالباً دودھاری جانوروں کا پالنا تھا جن کی موجودگی میں دو وقت پیٹ بھرنے اور بھوک کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کی سبیل نکلتی تھی۔ سیدہ اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ ہمارا اور آپ ﷺ کا اکثر کھانا دودھ پر مشتمل ہوتا تھا۔(37)

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ آپ ﷺ کی اونٹنیوں کو سیدہ اُم ایمن رضی اللہ عنہا (اُحد میں) چرایا کرتی تھیں اور ہر شام ان کو باڑے میں لاتیں۔ ایک روایت میں ہے کہ سیدنا ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کے بیٹے ان کو چرایا کرتے تھے۔ بلاذریؒ کا بیان ہے کہ آپ ﷺ کی اونٹنیوں کے علاوہ بھیڑ بکریوں کا ایک ریوڑ بھی تھا جن کے دودھ پر سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا اور ان کے فرزند گرامی سیدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ کی پرورش و پرداخت ہوتی تھی۔ ابن ہشامؒ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ خود بکریوں کا دودھ دوھ لیا کرتے تھے۔(38)

اسی طرح عربوں کو گھوڑوں سے بہت زیادہ شغف تھا اور وہ گھوڑوں کو اپنی اولاد پر فضیلت دیتے تھے۔ جس شخص کے پاس گھوڑا نہ ہوتا تو اسے قوم طعنے دیا کرتی تھی۔ عربوں کے معروف شاعر عنترہ نے ایک عرب قبیلے کو اپنے اشعار میں طعنہ دیا کہ تم کیسی قوم ہو جو گھوڑوں کو اہمیت نہیں دیتی۔ عربوں کے شرفاء اور قبیلوں کے سردار گھوڑوں کی خدمت خود کیا کرتے تھے۔ وہ یہ کام خدام اور غلاموں سے نہیں لیتے تھے۔ عربوں کے حکماء کہا کرتے تھے کہ قبیلوں کے سردار اور شرفاء کیلئے تین کام کرنے میں عار نہیں: والد، مہمان اور گھوڑے کی خدمت۔ گھڑ سواری اور دوڑ کے مقابلوں میں شرکت قابل فخر ہوا کرتی تھی۔ اس سلسلے میں وہ اپنے کارناموں کو اشعار میں ڈھالتے اور عکاظ جیسے بڑے میلوں میں ان اشعار کو دہرایا کرتے اور فخر کیا کرتے تھے۔

اسلام نے بھی گھوڑوں کی اہمیت اور افادیت کو تسلیم کرتے ہوئے اسے پالنے کی ترغیب دی۔ گھوڑوں کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے گھوڑوں کی قسم کھائی ہے:

﴿وَالْعَادِيَاتِ ضَبْحًا () فَالْمُورِيَاتِ قَدْحًا﴾ (39)

قسم ہے ان (گھوڑوں) کی جو پھنکارے مارتے ہوئے دوڑتے ہیں، پھر (اپنی ٹاپوں سے) چنگاریاں جھاڑتے ہیں۔

رسول کریم ﷺ نے بھی گھوڑوں کی تکریم میں فرمایا:

”جس نے جہاد فی سبیل اللہ کیلئے گھوڑا پالا اسے روزہ دار کے مثل اجر ملے گا اور جس نے گھوڑے کو کھلانے، پلانے اور پالنے پر خرچ کیا تو اس کا خرچ صدقہ شمار کیا جائے گا۔“(40)

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا

”بھلائی گھوڑوں کی پیشانی پر تا قیامت ثبت رہے گی۔“(41)

## تعمیراتی کام:

کنسٹرکشن اور تعمیراتی اعمال بھی نبوی سنت ہے، جس کا مختصر تذکرہ درج ذیل پیرائے میں کیا جارہا ہے:

- **تعمیر بیت اللہ:**

بعثت نبوی سے قبل جب خانہ کعبہ کی دوسری مرتبہ تعمیر کا مرحلہ آیا اس میں رسول کریم ﷺ نے بھی شرکت فرمائی۔ اس وقت آپ ﷺ کی عمر مبارک پینتیس برس تھی۔ قریش نے کام آپس میں تقسیم کر لئے تھے۔ ہر قبیلے کے لئے تعمیر کا ایک حصہ متعین کر دیا گیا تھا۔ قریش کے سردار اور بزرگ پتھر لانے اور لگانے میں شریک رہے۔ رسول کریم ﷺ اور آپ کے چچا عباس بن عبد المطلب نے بھی تعمیر کعبہ میں شرکت کی۔ آپ ﷺ پتھر لاتے تھے۔ عباس بن عبد المطلب نے کہا کہ آپ ﷺ اپنا تہبند اُتار کر اپنی گردن پر رکھ لیں، اس طرح آپ ﷺ کی گردن پتھروں کی وجہ سے زخمی ہونے سے محفوظ رہے گی۔ (آپ ﷺ نے چچا کی بات مان لی) تو غش کھا کر زمین پر گر گئے۔ آپ ﷺ کی آنکھیں آسمان کی طرف گڑ گئیں۔ پھر کچھ دیر بعد آفاقہ ہوا تو فرمایا:

((ازاری ازاری))

مجھے میری چادر دو۔

پھر آپ ﷺ نے مضبوطی سے اپنی چادر باندھ لی۔(42) آپ ﷺ اپنے چچا کے ساتھ پتھر ڈھو کر لاتے رہے۔ باقوم نامی کاریگر کی خدمات اس تعمیر کے لئے حاصل کی گئیں۔ جب حجر اسود رکھنے کا موقع آیا تو لوگوں میں سخت جھگڑا پیدا ہوا، پانچ دن تک فیصلہ نہیں ہو سکا۔ قریب تھا کی حرم میں ایک خطرناک جنگ شروع ہو جائے۔ ولید بن مغیرہ نے کہا اے لوگو! اپنے اختلاف کو دور کرنے کے لئے اس شخص کو منصف تسلیم کر لو جو سب سے پہلے مسجد کے دروازے سے اندر داخل ہو۔ سب اس پر راضی ہو گئے۔ پھر رسول کریم ﷺ داخل ہوئے۔ سب نے انہیں دیکھ کر کہا کہ ہم اس امین پر راضی ہیں۔ جب قریش نے آپ ﷺ کو ساری بات بتائی تو آپ ﷺ نے ایک کپڑا منگوایا اور اپنے دست مبارک سے حجر اسود کو اس پر رکھ دیا اور فرمایا:

((لتاخذ كل قبيلة بناحية من الثوب، ثم ارفعوا جميعا))

اب ہر قبیلہ اس کپڑے کو ایک جانب سے پکڑ کر اوپر اٹھائے۔

سب اسے اُوپر اٹھا کر اس مقام پر لے آئے جہاں اسے نصب کیا جانا تھا تو آپ ﷺ نے اپنے ہاتھوں سے اسے وہاں نصب فرمادیا، پھر اس پر بقیہ تعمیر کی گئی۔(43)

- **مسجد قباء کی تعمیر:**

قباء میں رونق افروز ہونے کے بعد سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے جو کام کیا وہ یہ کہ ایک مسجد کی بنیاد ڈالی۔ جب سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ (مکہ والوں کی امانتیں لوٹا کر) نبی کریم ﷺ کے پاس پہنچے اُس وقت آپ ﷺ، سیدنا عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ کے مکان میں مقیم تھے۔ پھر آپ ﷺ بنی عوف کے پاس تشریف لے گئے۔ وہ دن جمعہ کا تھا۔ آفتاب طلوع ہو رہا تھا۔ آپ ﷺ نے ان لوگوں کے لئے ایک مسجد کی تعمیر کے لئے خطوط ونشانات قائم کئے اور قبلہ کی تعیین فرمائی۔ (44)

سب سے پہلے خود آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے ایک پتھر لا کر قبلہ رخ رکھا۔ آپ ﷺ کے بعد سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، پھر سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ایک ایک پتھر رکھا۔ اس کے

بعد دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پتھر لا کر رکھنے شروع کئے اور تعمیر کا سلسلہ جاری ہو گیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ آپ ﷺ بھی بھاری پتھر اُٹھا کر لاتے اور بسا اوقات پتھر کو تھامنے کی غرض سے شکم مبارک سے لگا لیتے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم عرض کرتے یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ رہنے دیں ہم اُٹھا لیں گے تو آپ ﷺ قبول نہ فرماتے۔ سیدہ شموس بنت نعمان رضی اللہ عنہا مسجد قبا کی تعمیر کا چشم دید حال ان الفاظ میں بیان کرتی ہیں۔ میں نے اپنی آنکھوں سے اللہ کے پیارے رسول ﷺ کی زیارت کی۔ جب حضور ﷺ قبا تشریف لائے، یہاں اقامت فرمائی اور مسجد تعمیر کی۔ وہ فرماتی ہیں:

((فرایته یاخذ الحجراو الصخرة حتی یهصره الحجر وانظر الی بیاض التراب علیٰ بطنه فیاتی الرجل من اصحابه و یقول یا رسول الله! بابی انت و امی اعطنی اکفیک فیقول لا، خذ مثله حتی اسّسه)) [45]

(جب مسجد قبا تعمیر ہو رہی تھی) تو میں نے حضور ﷺ کو دیکھا کہ حضور ﷺ پتھر خود اٹھاتے تھے اور اس پتھر سے گرنے والی مٹی حضور کے چمکتے ہوئے شکم مبارک پر پڑتی تھی۔ حضور ﷺ کی خدمت میں کوئی صحابی حاضر ہوتا اور عرض کرتا یا رسول اللہ ﷺ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں یہ پتھر مجھے عطا فرمایئے کہ میں آپ کی طرف سے اٹھا کر لے جاؤں۔ تو حضور ﷺ فرماتے: اسے رہنے دو تم اس جیسا کوئی اور پتھر اٹھا کر لے جاؤ۔ یہاں تک کہ وہ مسجد پایہ تکمیل تک پہنچی۔

یہ پہلی مسجد تھی جسے ہجرت کے بعد آپ ﷺ نے تعمیر فرمایا اور اس میں بھاری بھر کم پتھر اٹھا کر لائے اور اس کی تعمیر میں شریک ہوئے۔ یہی وہ مسجد ہے جس کی شان میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

﴿ لَمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوَى مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَنْ تَقُومَ فِيهِ فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَنْ يَتَطَهَّرُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِينَ ﴾ [46]

البتہ جس مسجد کی بنیاد اول دن سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے وہ اس لائق ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں، اس میں ایسے آدمی ہیں کہ وہ خوب پاک ہونے کو پسند کرتے ہیں اور اللہ خوب پاک ہونے والوں کو پسند کرتا ہے۔

- **مسجد نبوی کی تعمیر:**

رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ میں پہلا کام مسجد نبوی کی تعمیر کا کیا تاکہ اسلامی شعائر، جو اب تک مخالفت کا شکار تھے، اُجاگر ہوں۔ نماز کی ادائیگی کا اہتمام ہو تاکہ رب سے تعلق مضبوط ہو اور دل دُنیاوی آلائشوں سے پاک ہو جائیں۔ امام بخاریؒ یہ روایت لائے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنی سواری پر سوار مدینہ منورہ میں داخل ہوئے۔ لوگ آپ ﷺ کے ساتھ ساتھ چلنے لگے۔ سواری مسجد نبوی کے مقام پر جابیٹھی۔ یہ جگہ سہل اور سہیل دو یتیم بچوں کی ملکیت تھی جو سیدنا اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کی زیر کفالت تھے۔ ان دنوں وہاں مسلمانوں کے چند آدمی نماز پڑھا کرتے تھے اور یہ احاطہ کھجوریں سکھانے کے کام بھی آتا تھا۔ سواری بیٹھ گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((هذا ان شاء الله المنزل))

ان شاء اللہ! یہی منزل ہے۔

پھر آپ ﷺ نے دونوں یتیم بچوں کو طلب فرمایا اور ان سے اس احاطے کی قیمت طے کرنا چاہی تاکہ وہاں مسجد کا قیام عمل میں لایا جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے بنو نجار! میرے ساتھ اس زمین کا سودا کرو۔ انہوں نے عرض کیا: اللہ کی قسم! ہم اس کی قیمت کا مطالبہ اللہ تعالیٰ سے کریں گے۔ ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے کہا:

((بل نهبه لک یا رسول الله ﷺ))

یارسول اللہ ﷺ! ہم اس قطعہ ءزمین کو آپ کی خدمت میں بطور نذرانہ پیش کرتے ہیں۔

مگر آپ ﷺ نے اسے وقف کے طور پر لینے سے انکار کر دیا اور ان سے یہ جگہ خرید کر ہی لی۔ اس کی قیمت سونے کے دس دینار طے ہوئی اور یہ دس سنہری دینار سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ادا کئے۔[47]

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ وہاں کھجور کے درخت اور مشرکین کی چند پرانی قبریں تھیں اور کچھ جگہ ویران تھی۔ آپ ﷺ نے کھجور کے درخت کاٹنے، قبریں اکھاڑنے اور ویران جگہ کو ہموار کرنے کا حکم دیا۔ درخت کاٹ کر قبلہ رخ قطار میں نصب کر دیئے گئے اور چوکھٹ کے دونوں بازو پتھر کے بنائے گئے۔ جب اس میدان کو ہموار کرنے کا کام پایہ تکمیل کو پہنچا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((ابنوا لی عریشا کعریش موسیٰ علیه السلام))

میرے لئے موسیٰ علیہ السلام کے چھپر کی طرح ایک چھپر تعمیر کر دو۔

راوی کہتا ہے کہ میں نے حسنؒ سے پوچھا: سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا چھپر کیسا تھا؟ انہوں نے کہا: سیدنا موسیٰ علیہ السلام جب اپنا ہاتھ بلند کرتے تو وہ اس چھپر کو چھو جاتا۔[48] اس دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہ رجز پڑھ رہے تھے:

((اللهم لا خير الا خير الآخره --- فانصر الانصار والمهاجره))[49]

اے اللہ! زندگی تو بس آخرت کی زندگی ہے۔ تو انصار اور مہاجرین کی مدد فرما۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تعمیر کی ابتدا اپنے دست مبارک سے فرمائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کدال پکڑی اور بنیاد کھودنے کے لئے پہلی ضرب لگائی جس کے بعد تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سرگرمی سے مصروف عمل ہو گئے۔ تین ہاتھ گہری بنیاد کھودی گئی اور اسے پتھروں سے بھرا گیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ مدینہ کے ٹیلوں سے پتھر لائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی ان کے ساتھ شریک ہوئے۔ سیدنا اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک بھاری پتھر اٹھائے ہوئے ہیں۔ انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے دے دیجئے کہ میں لے چلوں۔ فرمایا: دوسرا پتھر اُٹھالاؤ۔ غرض بنیادیں زمین کے برابر بھری گئیں اور ان پر گارے اور کچی اینٹوں سے دیواریں تیار کی گئیں جو درمیانے آدمی کے قد سے ذرا بلند تھیں۔ مسجد کے شمالی گوشے میں کھجور کے تنوں پر ایک چھپر کھڑا کیا گیا جس پر کھجور کی ٹہنیاں ڈالی گئیں اور فرش پر کنکریاں بچھا دی گئیں۔ اس چھپر کو "صُفّہ" کہا جاتا تھا۔ باقی ساری مسجد بغیر چھت کے کھلی چھوڑ دی گئی۔ مسجد کی تعمیر بارہ دن جاری رہی۔[50]

- **ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے حجروں کی تعمیر:**

جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کی تعمیر سے فارغ ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت اور تمام مہاجرین رضی اللہ عنہم کے لئے مسجد کے گرد مکانات بنائے گئے جن کے دروازے مسجد کی طرف کھولے گئے۔ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے لئے مسجد کے گرداگرد چند حجرے اسی انداز میں تعمیر کئے گئے جو مسجد میں اختیار کیا گیا تھا تاکہ وہ ان میں رہائش پذیر ہوں۔ یہ گھر قیصر و کسریٰ اور بادشاہوں کے محلات جیسے نہیں تھے، یہ تو اس ہستی کی رہائش گاہیں تھیں جو دُنیا اور اس کی زیب و زینت سے کنارہ کش اور آخرت کی طلبگار تھی۔ یہ گھر بھی مسجد کی طرح کچی اینٹ، گارے اور پتھروں سے تیار کئے گئے تھے۔ یہ چھ سات ہاتھ چوڑے اور دس ہاتھ لمبے تھے۔ ان کی چھتیں، کھجور کے تنے اور ٹہنیوں کی تھیں اور ان کے نیچے صنوبر کے تنے بطور شہتیر رکھے گئے تھے۔ دروازوں کے کنڈے نہیں تھے اور ان پر کمبل کے پردے تھے۔ چھوٹی

عمارت اور مختصر صحن پر مشتمل یہ حجرے اتنے اونچے تھے کہ لمبا لڑکا بآسانی چھتوں کو چھو سکتا تھا۔ حسن بصریؒ جو اُم المومنین سیدہ اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کی لونڈی خیرہ کے بطن سے تھے، بتاتے ہیں کہ میں ان کمروں کی چھت چھو لیتا تھا۔(51)

مدینہ منورہ ان دنوں بلند و بالا قلعہ نما عمارتوں پر مشتمل تھا جنہیں اشرافیہ نے امن کے دنوں میں فخر کے طور پر اور جنگ کے ایّام میں حفاظت کی غرض سے تعمیر کیا تھا۔ انہوں نے ان قلعوں کے مختلف نام بھی رکھے ہوئے تھے۔ چنانچہ عبداللہ بن ابی کے قلعے کا نام "مزاحم" اور سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے قلعے کا نام "فارع" تھا۔ مگر رسول کریم ﷺ کے گھر سادگی اور عجز کا خوبصورت نمونہ تھے۔ آپ ﷺ چاہتے تو بلند و بالا محلات تعمیر کروا سکتے تھے۔ آپ ﷺ کے ایک اشارہءِ ابرو پر انصار ان کی تعمیر میں جُت جاتے۔ یہ بھی ممکن تھا کہ آپ ﷺ ریاست کے خزانے (مال فے وغیرہ) کی مدد سے یہ محلات کھڑے کر لیتے لیکن آپ ﷺ نے ایسا نہیں کیا۔ آپ ﷺ نے اُمت کے لئے ترکِ دُنیا اور سادگی کی نہایت عظیم مثال قائم کی اور یہ سبق دیا کہ انسان اپنی ساری توانائیاں موت کے بعد پیش آنے والے حالات کو بہتر بنانے میں صرف کرے۔(52)

زُرارہ کا بیان ہے کہ میں امام جعفر بن محمد الصادقؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں اپنے ہاتھ سے کوئی کام کرنا نہیں جانتا اور نہ ہی مجھے تجارت کرنے کا کوئی طریقہ آتا ہے، اس لئے میں محتاج ہوں۔ امامؒ نے اس سے فرمایا:

"کوئی کام کر اگرچہ سر پر ٹوکری اُٹھانی پڑے اور لوگوں سے بے نیاز ہو جا کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے کاندھے پر پتھر اٹھا کر اپنی دیوار میں لگایا تھا جو آج تک موجود ہے گو یہ معلوم نہیں ہے کہ اس کا عُمق کس قدر ہے، مگر موجود ہے۔"(53)

سیدنا طلق بن علی یمامی رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے، انہوں نے بتایا کہ میں نے رسول کریم ﷺ کے ساتھ مسجد نبوی کی تعمیر میں حصہ لیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((قربوا اليمامی من الطين، فانه احسنكم له مسيسا)) (54)

یمامی کو گارے کے قریب کرو۔ یہ تم لوگوں سے اچھا گارا بناتا ہے۔

علامہ شامیؒ نے یہ روایت بیان کی ہے:

”حسنہ بن خالد اور سواء بن خالد جب ایک مرتبہ بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ اس وقت گھر کی دیوار کی مرمت میں مصروف تھے۔“(55)

## جنگی محنت ومشقت اور نبوی طرزِ عمل:

رسول کریم ﷺ کی سیرت مبارکہ کا ایک بہت بڑا حصہ غزوات اور مغازی پر مشتمل ہے، جس پر باقاعدہ مستقل کتب لکھی گئی ہیں اور لکھی جارہی ہیں۔ مگر آپ کی جنگیں اور غزوات تاریخ انسانی میں غیر معمولی طور پر ممتاز ہیں۔ اکثر دگنی، تگنی اور بعض اوقات دس گنا بڑی قوت کے مقابلہ میں آپ ﷺ ہی کو قریب قریب ہمیشہ فتح حاصل ہوئی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نہ چاہتے ہوئے بھی آپ ﷺ نے اُن کی دلجوئی اور اُمت کی تعلیم کے لیے غزوات کی سخت ترین محنت ومشقت میں برابر کا حصہ لیا۔ نمونہ کے طور پر غزوہ خندق کے احوال درج کئے جاتے ہیں:

ابوسفیان کم وبیش دس ہزار آدمیوں کی بھاری جمعیت اور وسائل کی فروانی کے ساتھ شوال ۵ ہجری میں مدینہ کی طرف روانہ ہوا۔ جب رسول کریم ﷺ کو دشمنوں کی نقل وحرکت کا علم ہوا تو حسبِ معمول آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ فرمایا، سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا! ہم اہلِ فارس کا دستور یہ ہے کہ ایسے موقع پر خندق کھود کر دشمن سے خود کو محفوظ کرلیتے ہیں اور اس کو مجبور بنا دیتے ہیں۔ آپ ﷺ نے اس مشورہ کو قبول فرما کر خندق کھودنے کا حکم دے دیا، مدینہ میں تین جانب سے مکانات اور نخلستان کا سلسلہ تھا جو شہرپناہ کا کام دیتا تھا۔ صرف شامی رُخ کھلا ہوا تھا، اس طرف آپ ﷺ نے خود حدود قائم کیے، داغ بیل ڈال کر دس دس آدمیوں پر دس دس گز زمین تقسیم کی گئی، خندق کی کل لمبائی تقریباً ساڑھے تین میل تھی، چوڑائی اتنی تھی کہ ایک تیز رفتار گھوڑا عبور نہ کرسکے اور گہرائی ایک اندازہ کے مطابق پانچ گز تھی۔ اس وقت مسلمان فوج کی تعداد کل تین ہزار تھی اور کل چھتیس گھوڑے تھے، معاملہ بہت سنگین تھا۔

اس بات کا بھی اعتراف کرنا چاہیئے کہ اس زمانے میں نہایت ہی ابتدائی وسائل کے ساتھ خندق کھودنا بہت ہی طاقت فرسا کام تھا خصوصاً جب کہ مسلمان خوراک اور دوسرے وسائل کے لحاظ سے بھی سخت تنگی میں تھے۔ تنگ دستی کے ساتھ ساتھ خندق کی کھدائی کے دوران بڑی بڑی مشکلات پیش آئیں۔ مثلاً موسم انتہائی سرد تھا۔ بہت تیز ہوا چلتی تھی۔ سنگلاخ زمین تھی، کھانے پینے کے سامان مہیا نہیں تھے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے انتہائی صبر اور استقامت کا ثبوت

دیا۔ متوقع دشمن کی آمد کا ہر لحظہ خوف اور کھدائی کا تکلیف دہ مرحلہ جس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہاتھوں سے مٹی کھودتے اور پشت پر ڈھوتے تھے۔ حالات وواقعات بلاشبہ انتہائی محتاط، سنجیدگی اور محنت کے متقاضی تھے۔

ایسے میں رسول کریم ﷺ بھی مومنین کے ساتھ مل کر کدال ہاتھ میں لئے خندق کھودتے رہے اور بیلچے کے ساتھ پتھر اکٹھے کر کے باہر ڈالتے رہے۔ آپ ﷺ یہ بات بھی ہرگز نہ بھول پائے کہ یہ محنت کش بھی آخر دوسروں کی طرح انسان ہی ہیں۔ انہیں بھی کام کی مشقت کے بعد سکون کی ضرورت ہے۔ انہیں انتہائی کوفت کے حالات میں ایسی خوش کن باتوں کی ضرورت ہے جو ان کے دُکھ درد کو کچھ وقت کے لئے بھلوا دیں، لہٰذا آپ ﷺ اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم کے حوصلے بڑھانے اور ٹھنڈے دل سے سوچنے کے لئے ان سے مزاح بھی کرتے اور ان کے قلب وروح کو گرمانے کے لئے حربی اور جوش وجذبہ دلانے والے اشعار پڑھ کر انہیں ترغیب بھی دلاتے۔ روایات میں ہے کہ آپ ﷺ مٹی اٹھاتے وقت سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے رجزیہ اشعار دہراتے اور آخری شعر پکار کر ذرا لمبا کر کے پڑھتے۔ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھی خندق کے دن یوں کہتے:

نحن الذين بايعوا محمدا

على الاسلام ما بقينا أبدا

ہم تو پیغمبر محمد ﷺ کی بیعت کر چکے کہ جب تک جان میں جان ہے اسلام پر ثابت قدم رہیں گے۔

اس کے جواب میں رسول اللہ ﷺ یہ فرماتے:

اللهم لا عيش الا عيش الآخره

فاغفر للانصار والمهاجره[56]

اے اللہ! زندگی تو آخرت کی زندگی ہے، بخش دے انصار اور مہاجرین کو۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن مشکل حالات سے گزر رہے تھے ایسا انبساط اور اچھا سلوک ان کے لئے بڑی حد تک غم غلط کرنے کا باعث بن رہا تھا۔ ہمت افزائی کے سلسلے میں بھی یہ طرز عمل بڑا معاون ثابت ہو رہا تھا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نہ چاہتے ہوئے بھی آپ ﷺ نے اُن کی دلجوئی اور اُمت کی تعلیم کے لیے اس سخت ترین محنت میں برابر کا حصہ لیا۔ بھوک سے آپ ﷺ کے شکم مبارک پر دو پتھر بندھے ہوئے تھے۔ اتفاق سے سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے حصہ میں پتھر کی بڑی چٹان نکل آئی جس کا توڑنا عام لوگوں کے بس کی بات نہ تھی، آپ ﷺ کو

اس کا علم ہوا تو کدال اپنے دست مبارک میں لے کر یکے بعد دیگرے تین ضرب لگائی، تیسری مرتبہ یہ چٹان ریزہ ریزہ ہو گئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ پتھر پر کدال مارنے سے جو روشنی نکلی اس میں یمن اور کسریٰ کے شہروں کے محلات دکھلائے گئے اور سیدنا جبرئیل علیہ السلام نے ان شہروں کے فتح ہونے کی بشارت دی ہے، اس طرح چند روز میں خندق تیار ہو گئی۔ جب ابو سفیان کو خندق کا علم ہوا تو بے اختیار بول اٹھا۔

((واللہ ان هذه لمكيدة ما كانت العرب تكيدها)) [57]

اللہ کی قسم! یہ ایک زبردست تدبیر ہے جسے عرب نہ جانتے تھے۔

## امورِ خانہ داری اور نبوی طرز عمل:

دینی، علمی، روحانی، معاشرتی، خاندانی، حکومتی اور سیاسی اعتبار سے رسول کریم ﷺ بلندی کی جن چوٹیوں پر فائز تھے وہ اہل نظر سے مخفی نہیں، اس کے باوجود آپ ﷺ اپنے گھریلو اور ذاتی کام کاج میں کبھی کسی قسم کی عار محسوس نہیں فرماتے تھے۔ اور نہ ہی آپ ﷺ محض توکل الٰہی، عطائے احباء و اصدقاء اور فتوحات پر تکیہ کئے بیٹھے تھے بلکہ اپنے خاص وسائل و ذرائع سے اپنے اہل و عیال کے لئے سامان زیست فراہم کرتے تھے۔ گھریلو کام کاج میں اپنی ہتک و توہین اور عار سمجھنا دراصل ایک قسم کا تکبر، غرور اور باطن کا فتور ہے۔ پھر اس رویے میں جو اخلاقی، معاشرتی اور معاشی نقصانات ہیں وہ اس کے علاوہ ہیں۔ بنابریں تعلیم اُمت کے لئے آپ ﷺ اپنے گھریلو کام محنت و لگن سے خود سرانجام دیتے ورنہ خدام کی کوئی کمی نہ تھی۔ قاضی عیاضؒ لکھتے ہیں:

> "آپ ﷺ اپنے گھر والوں کے کام کاج میں ان کا ہاتھ بٹاتے، اپنے کپڑے خود صاف کرتے اور جھاڑ لیتے، اپنی بکریوں کو دوھ لیتے، اپنے کپڑے کو اپنے دست مبارک سے پیوند لگا لیتے، اپنے نعلین پاک گانٹھ لیتے، اپنا کام خود کرتے، گھر میں صفائی کر لیتے، اُونٹ کو خود باندھ لیتے اور خود چارہ ڈالتے، اپنے خادم کے ساتھ مل کر کھانا کھاتے اور ازواج سے مل کر آٹا گندھواتے اور بازار سے اپنا سودا سلف خود اٹھالاتے۔"[58]

ایک روایت میں ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے پوچھا:

”رسول اللہ ﷺ اپنے گھر میں کیا کام کیا کرتے تھے؟ سیدہ نے جواب دیا۔ آپ ﷺ ایک انسان تھے۔ گھر میں آپ ﷺ وہی کچھ کرتے تھے جو عام انسان کرتے ہیں۔ پھر درج بالا کاموں میں سے چند کاموں کے نام گنوائے۔“[59]

اُم المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے کچھ دست کاری کی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی اختیار دیا۔ لیکن وہ اس سے الگ رہے۔ جب آپ ﷺ کو اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ نے خطبہ دیا جس میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد فرمایا: لوگوں کا کیا حال ہے کہ ایسے کام سے الگ رہتے ہیں جس کو میں خود کرتا ہوں اور اللہ کی قسم! میں اللہ کی معرفت اور تقویٰ تم سے زیادہ رکھتا ہوں۔[60]

آپ ﷺ کا یہ ارشاد محنت کشوں کے لئے کیسی عظیم بشارت ہے:

((ما اکل احد طعاما قط خیرا من ان یاکل من عمل یدہ، وان نبی اللہ داؤد علیہ السلام کان یاکل من عمل یدہ)) [61]

کسی شخص نے کبھی اُس کھانے سے بہتر کوئی کھانا نہیں کھایا جو وہ اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاتا ہو، اور اللہ کے نبی سیدنا داوٗد علیہ السلام (باوجود بادشاہ ہونے کے) اپنے ہاتھ کی کمائی سے ہی کھایا کرتے تھے۔

اور اسی حدیث مبارکہ کی ایک اور روایت میں یہ بشارت بھی ہے:

((من بات کالا من عملہ بات مغفورا لہ)) [62]

جس شخص نے اس حالت میں رات کی کہ وہ اپنے کام سے تھک کر چور ہو گیا ہو، تو اس کے سارے (صغیرہ) گناہ معاف ہو گئے۔

الغرض آپ ﷺ نے معیشت کے ہر پہلو کو عملی مثالوں سے واضح فرما دیا اور بذات خود محنت کشی کو شعار بنایا۔ یہ محنت صرف مثال مہیا کرنے کے لئے وقتی عمل نہ تھا بلکہ آپ ﷺ کی پوری زندگی ایک محنت کش کی زندگی ہے۔ سیرت مطہرہ کا مطالعہ ایسی بیسیوں مثالیں مہیا کرتا ہے کہ آپ ﷺ نے کس کس طریق سے حصول رزق کے لئے، معاشرتی فلاح اور قومی سربلندی کے لئے محنت فرمائی ہے۔ نیز آپ ﷺ نے اپنے اعمال سے یہ ترغیب دی کہ معاش کمانے کے لئے بظاہر کوئی حقیر پیشہ اختیار کرنا پڑے تو ہچکچانا نہیں چاہیئے۔

## نتائج بحث

محنت کے اساسی ارکان میں سے ایک اہم رکن محنت کش ہے جس کی جد وجہد، جفا کشی اور سعی کا ثمر قوم کی بہتری اور مجموعی مفاد کے لئے ہوتا ہے۔ انبیائے کرام علیہم السلام دین کی ترویج و اشاعت اور عوام الناس کی خدمت کرتے ہوئے لوگوں پر بوجھ بننے کی بجائے سیلف میڈ ہوا کرتے تھے۔ ہمارے پیارے رسول ﷺ ساری انسانیت کے لئے اُسوۂ حسنہ ہیں۔ آپ ﷺ صبح و شام سستی و کاہلی سے اللہ کی پناہ مانگتے تھے۔ نیز زندگی کے ہر میدان میں آپ ﷺ نے محنت کشی کو اپنا شعار بنایا۔ دیگر طبقات کی طرح آپ ﷺ نے اُن محنت کشوں کے لئے بھیتر غیب اور رہنمائی مہیا فرمائی جو جسمانی مشقت اور ہاتھوں کی محنت سے اپنی معاش حاصل کرتے ہیں۔ قرآن کریم اور سیرت رسول ﷺ میں ہمیں محنت کشی اور نیک کاموں میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کا حکم دیا گیا ہے اور ایسے ہی مومنین کی تعریف کی گئی ہے۔ محنت سے بھاگنے والا انسان کسی کام میں سبقت نہیں لے جا سکتا، سبقت لے جانے کیلئے سستی و کاہلی کی چادر اتارنی پڑے گی۔

## سفارشات

- محنت سے کنارہ کشی اور سستی و کاہلی کی وبا جب پھیلتی ہے تو ہر طبقے سے تعلق رکھنے والے افراد اس کی لپیٹ میں آ جاتے ہیں۔ اہل ایمان کو ہر وقت چوکنا رہنا چاہیئے کہ کہیں محنت سے اجتناب اور کاہلی و تن آسانی اس کے اندر سرایت نہ کر جائے اور غیر شعوری طور پر اس کے اعصاب پر سوار ہو کر انہیں شل کر دے۔
- عزم و ہمت اور اخلاص و تقویٰ سے آراستگی نیز سیرت رسول ﷺ پر عمل کرتے ہوئے دین و دنیا کے جملہ امور میں محنت کا راستہ اپنائیں اور ہر میدان میں سبقت لے جانے والے بنیں، نیز گزشتہ زندگی میں جو کمی کوتاہی ہوئی ہے، اس کی تلافی کی کوشش کریں۔
- رسول اللہ ﷺ کا اُسوۂ محنت کشی آنکھوں کے سامنے ہو اور صبح و شام یہ مسنون دُعا وردِ زباں رہے: اے اللہ! میں سستی و کاہلی، زیادہ بڑھاپے اور گناہ میں مبتلا ہونے سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

## حوالہ جات وحواشی


1۔ البیحیٰ، یحیٰ(ڈاکٹر)، مدخل لفھم السیرۃ، ص:137

2۔ سورۃ یونس:10/78

3۔ سورۃ ھود:11/29

4۔ سورۃ الشعراء:26/109

5۔ محمد باقر بن محمد تقیؒ، حیات القلوب، مجلس علمی اسلامی، پاکستان، سن ندارد، ص:2/147

6۔ ابن سعدؒ البصری، ابو عبد اللہ محمد (م230ھ)، الطبقات الکبرٰی، دار صادر، بیروت، 1388ھ، ص:1/80،

7۔ صحیح البخاری، حدیث:2262

8۔ ابن اسحاقؒ، امام ابو عبید اللہ محمد بن یسار (م ۱۵۱ھ)، السیرۃ النبویۃ، بیروت، 1424ھ، ص:1/304

9۔ سورۃ النحل:16/6

10۔ طبقات الکبرٰی، ص:1/153۔ علامہ شبلی نعمانیؒ و سید سلیمان ندویؒ، سیرت النبی ﷺ، ص:1/185۔186

11۔ پروفیسر یسین مظہر صدیقی، معاش نبوی، کتب خانہ سیرت، کراچی، ایڈیشن:۱، 2015ء، ص:145

12۔ بحار الانوار، ص:23/5

13۔ جامع الترمذی، حدیث:1209

14۔ جامع الترمذی، حدیث:1210

15۔ مسند احمد، حدیث:17265

16۔ انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون، ص:1/220

17۔ الحاکم النیسابوریؒ، ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ، المستدرک، مکتبۃ نزار مصطفی الباز، مکۃ المکرمۃ، 2000ء، حدیث:4834

18۔ مسند أحمد، حدیث:15559

19۔ محمد عبدالحي بن عبدالکبیر الادریسی الکتانیؒ، نظام الحکومۃ النبویۃ المسمی التراتیب الاداریۃ، دار الکتاب العلمیۃ، بیروت، ص:1/20

20۔ ابن حجر العسقلانی، احمد بن علی، الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ(مترجم: قیس بن سائب) دارالکتب العلمیۃ، بیروت، 1995ء، ص:3/98

21۔ سنن ابی داؤد، حدیث:4996

22۔ الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، ص:3/59

23۔ فتح الباری، ج۴، کتاب البیوع

24۔ الجواہر السنیۃ فی الاحادیث القدسیۃ، ص:247

25۔ وسائل الشیعہ الی تحصیل مسائل الشریعہ، ص:12/54-55

26۔ عبدالرحمٰن الجزیری، کتاب الفقہ علی المذاھب الاربعہ، دار احیا التراث العربی، بیروت، ص:2/12

27۔ مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، ص:4/166

28۔ وسائل الشیعہ الی تحصیل مسائل الشریعہ، ص:12/56

29۔ سورۃ الواقعہ:56/63-65

30۔ صحیح مسلم، حدیث:1552

31۔ وسائل الشیعہ الی تحصیل مسائل الشریعہ، ص:12/56

32۔ المقدسیؒ، امام ابوعبداللہ ضیاء الدین محمد الحنبلی، الاحادیث المختارۃ، مکتبہ النہضہ، مکۃ المکرمۃ، حدیث:2711

33۔ المبسوط، السرخسیؒ(م483ھ)، امام ابو بکر محمد بن احمد الحنفی، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ص:10/92

34۔ وسائل الشیعہ الی تحصیل مسائل الشریعہ، ص:12/54

35۔ مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، سیرۃ المصطفیٰ ﷺ، مکتبہ عثمانیہ، لاہور، ص:2/424

36۔ بحارالانوار، ص:22/367

37۔ سنن نسائی، کتاب الاشربہ، باب ذکر الاشربۃ المباحۃ وانساب الاشراف، ص:1/513

38۔ انساب الاشراف، ص:1/50، ص:4/512۔ الواقدیؒ، ابو عبداللہ محمد بن عمر بن واقد، کتاب المغازی، (تحقیق: مارسدن جونس)، دارالکتب العلمیہ، بیروت، 1984ء، ص:70

39۔ سورۃ العادیات:100/1۔2

40۔ کتاب المومن، ص:44

41۔ صحیح مسلم، حدیث:4955

42۔ صحیح البخاری، حدیث:1582

43۔ ابن ہمام صنعانیؒ، امام ابو بکر عبدالرزاق، مصنف عبدالرزاق، (تحقیق: حبیب الرحمٰن اعظمی)، ص:5/100

44۔ حیات القلوب، ص:2/517

45۔ ضیاء النبی ﷺ، ص:3/107۔108

46۔ سورۃ التوبۃ:9/108

47۔ الصالحی الشامیؒ، امام محمد بن یوسف، سبل الہدی والرشاد فی سیرۃ خیر العباد (تحقیق: مصطفی عبدالواحد) لجنۃ الاحیا لتراث الاسلامی، القاھرۃ، 1392ھ، ص:3/501

48۔ امام ابو الحسن بن عبداللہ السمہودیؒ، وفاء الوفا باخبار دار المصطفٰی ﷺ، دار المصطفٰی، القاھرۃ، ایڈیشن: ا، 1326ھ، ص:1/324

49۔ صحیح البخاری، حدیث:428 و صحیح مسلم، حدیث:524

50۔ البدایۃ والنہایۃ، ص:3/303۔ حیات القلوب، ج۲، 521۔ دلائل النبوۃ، امام ابی بکر احمد بن حسین بن علی البیہقیؒ (م458ھ)، تحقیق: عبدالمعطی قلعجی، دارالکتب العلمیہ، بیروت، 1405ھ، ص:2/509

51۔ سبل الہدی والرشاد فی سیرۃ خیر العباد، ص:3/5061

52- الدکتور عبد العزیز الحمیدی، التاریخ الاسلامی، دار الدعوة، الاسکندریہ، ایڈیشن: ا، 1418ھ، ص: 4/13

53- وسائل الشیعہ الی تحصیل مسائل الشریعہ، ص: 12/54

54- مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، ص: 2/9

55- سبل الہدی والرشاد فی سیرة خیر العباد، ص: 7/36

56- صحیح البخاری، حدیث: 2834- صحیح مسلم، حدیث: 1805

57- الدکتور عبد الرشید محمد، القیادة العسکریة فی عھد الرسول، دار القلم، دمشق، ایڈیشن: ا، 1410ھ، ص: 482

58- امام قاضی عیاض الیحصبیؒ، الشفا فی التعریف بحقوق المصطفیٰ ﷺ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ص: 1/132

59- امام شمس الدین احمد بن عثمان الذھبیؒ، تاریخ الاسلام، (م 748ھ)، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ص: 459

60- اسلام کا معاشی نظام، ص: 234

61- صحیح البخاری، حدیث: 1966

62- فتح الباری، ص: 4/306